Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Exploring Post-Colonial Discourse and Social Commentary in Jamila Hashmi's 'Tilash e Beharan': A Holistic Examination of Themes and Influences

جمیلہ ہاشمی کے ناولوں بالخصوص،، تلاش بہاراں،، میں مابعد نوآبادیاتی فکر، تانیثی تنقید کے اثرات وانسلاکات کا تجزیہ

Saira Bano
PhD Scholar, Department of Urdu, NCBA&E, sub campus, Multan, sb2036693@gmail.com

Zee Hasham Haider
PhD Scholar, Department of Urdu, NCBA&E, sub campus, Multan, zeehashamhaider1@gmail.com

Dr Muhamad Shakil Pitafi
Professor, Department of Urdu, NCBA&E sub campus, Multan, Shakilpitafi@gmail.com

Dr Aslam Aziz Durani
Professor, Department of Urdu, NCBA&E, sub campus, Multan, aslamazizdurani22@gmail.com

Abstract

In order to understand feminist critical perspectives and apply them to literature, it's crucial to recognize that feminist criticism, along with modern critical theories such as structuralism, stylistic criticism, Marxist theory, structural psychology, and postmodern critical theories, are significant components within academic schools. The basic methodology and central reasoning system of feminist criticism are associated with these theories. Initially rooted in social criticism of the 1960s, feminist criticism has embraced influences from structuralism, linguistics, analytical criticism, and postmodern concepts and theories. The genre of the novel has played a pivotal role in promoting analytical thinking within political, social customs, and values spheres. Numerous serious writers among well-known novelists in Urdu literature have made unforgettable contributions to presenting diverse perspectives. Jameela Hashmi, as an Urdu novelist, writer, translator, and fiction writer, holds a unique identity, paving the way for creative experiences for women. In Urdu language and literature, writers have not only shifted thematically but also on a technical level, innovatively creating new patterns of expression from the themes of their creations, thus illuminating the diversity of literary, intellectual, and critical trends of their era. In her novels such as "TALASH.E.BAHARANN," "Aatish.e.Rafta," "Dasht.e.soos," "Cher aba Chera," "Rou Ba Rou," "Jogg ki Raat," and "Rohee or Apna apna Janum," Jameela Hashmi has incorporated fundamental methods of characterization, scenario, plot, disciplined and systematic chronology. It's observed that the purpose of studying creative texts is to establish connections along modern critical lines.

Keywords: Feminist criticism, Structuralism, Stylistic criticism, Marxist theory, Analytical thinkingy

جمیلہ ہاشمی ۱۹۳۴ میں ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر امرتسر میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم امرتسر سے مکمل کی۔ تقسیم برصغیر کے بعد ۱۹۴۷ میں ہجرت کر کے پاکستان آئیں اور ساہیوال میں آباد ہو گیئں۔ گورنمنٹ کے سکول میں پرنسپل تعنیات ہوئیں، پہلے ساہیوال اور بعد میں لاہور میں مقیم ہوئیں۔ اور مشنری کالج سے ایم۔اے انگریزی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے سردار احمد اویسی سے شادی کی۔ زمانہ طالب علمی سے افسانے ،ناول اور مضامین کا آغاز کر چکی تھیں۔

جمیلہ ہاشمی کی تصانیف:

۱۔ تلاش بہاراں آدم جی ایوارڈ یافتہ ناول اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۶۱

۲۔ آتش رفتہ ناول شعیب پبلشرز لاہور، ۱۹۸۴

CC BY

۳۔دشت سوس ناول رائٹرز بک کلب،لاہور کینٹ ۱۹۸۳

۴۔چہرہ بہ چہرہ روبہ رو ناول شعیب پبلیشرز لاہور ۱۹۸۳

۵۔روہی ناولٹ رسالہ نیادور کراچی شمارہ نمبر ۴۲،۴۱ شعیب پبلشرز لاہور ۱۹۸۳

۶۔جوگ کی رات ناول شعیب پبلشرز لاہور ۱۹۸۳

۷۔آپ بیتی جگبیتی افسانے۔شعیب پبلشرز لاہور ۱۹۷۲

۸۔اپنا اپنا جنم تین ناولٹ فیروز سنز لاہور ۱۹۸۸

۹۔رنگ بھوم شعیب پبلشرز لاہور ۱۹۸۷

۱۰۔بسنت رت میر وافسانے شعیب پبلشرز لاہور ۱۹۸۴

اردو میں ناول نگاری کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ ایک زندہ اور جیتی جاگتی تاریخ ہے۔زندہ اس معنی میں کہ اس نے فن کی بنیادوں کو استوار کرتے وقت اپنے تخلیقی رویوں کی بہترین نشانیاں چھوڑی ہیں۔یہ قصے کہانیاں محض سماجی مسائل کی کتھونیاں نہیں بلکہ ان میں مجروح اور زخم خوردہ آوازیں بھی بند ہیں۔جو دوسروں کے استحصال کی وجہ سے بلند نہ ہو سکیں۔ان میں وہ خواب بھی پوشیدہ ہیں۔جنہیں دیکھتے دیکھتے آنکھیں بجھ سی گیئں۔وہ افراد بھی جو اس بے چہرگی کے دور میں بھی شرافت، نیکی اور انسان دوستی کی قدروں کو عزیز رکھتے ہیں۔ہمارے ناول نگاروں نے حقیقتوں کے بکھرے ہوئے مظاہر کی بڑی روشن اور تابناک تصویریں کھینچی ہیں۔ناول چونکہ فرانسیسی صنف ہے اور لفظ ناویلا سے ماخوذ ہے۔جس میں واقعات، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور کردار ایک خاص ربط و ترتیب کے تحت بنے جاتے ہیں۔اور داخلی اور خارجی معنوی تہیں اپنے مخصوص تناظرات کو اجاگر کرنے کا وسیلہ بنتی ہیں۔

،،ناول نے بنیادی طور پر اینٹی رومانس کے طور پر جنم لیا۔اینٹی
رومانس ہونے سے ہم کلاسیکی مزاج مراد نہیں لیں گے کہ یہاں اس
سے وہ رویہ مراد ہے جو معیار پسندی، عظمت حسن، نفاست اور
خصوصی اہمیت رکھنے والے کرداروں کے بجائے عام، عمومی
اور معمولی کرداروں کی بھیڑ میں کسی کردار یا کرداروں کا سفر
دکھا سکے۔ناول عمومیت پر اصرار کرتا ہے۔اپنی صنفی ضرورت
کے تحت ناول تخیل محض کے بجائے حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔،،۱

قیام پاکستان کے بعد ناول کی صنف کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے ادب میں خاصی اہمیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہوئی،اس بات سے انکار نہیں کای جاسکتا کہ اردو کے بیشتر اہم ناول پاکستان میں لکھے گئے۔ ۱۹۴۷ کے بعد ناول کے فن میں تکنیک، اسالیب اور رجحانات میں کافی تنوع اور وسعت پیدا ہوا۔ناولوں کے موضوعات وسیع ہوئے۔نئے نئے نقطہ نظر سامنے آنے لگے پرانے اور فرسودہ خیالات اور تصورات اپنا مقام کھونے لگے۔

۱۹۶۰ کے بعد شوکت صدیقی،،خدا کی بستی،،ممتاز مفتی،،علی پور کا ایلی،،جمیلہ ہاشمی،،تلاش بہاراں،،عبداللہ حسین اداس نسلیں،،خدیجہ مستور،،آنگن،،رضیہ فصیح احمد،،آبلہ پا،،قاضی عبدالستار،،شب گذیدہ،،داراشکوہ راجندر سنگھ بیدی،،ایک چادر میلی سی،،رات چور اور چاند،،فضل احمد کریم فضلی،،خون جگر ہونے تک،انتظار حسین،چاند گہن،،آمنہ ابوالحسن،،سیاہ، سرخ، سفید وغیرہ نے کئی جدید تناظرات اور جہتوں سے اردو ناول کو نئے آفاق سے روشناس کرایا۔اور اس صنف کو اعتبار بخشا۔

اسی دہائی میں جمیلہ ہاشمی کا پہلا ناول،،تلاش بہاراں،،۱۹۶۱ منظر عام پر آیا ۱۹۶۱ میں شائع ہونے اس ناول نے آدم جی،،ادبی انعام حاصل کیا۔اس ناول کو عوام میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔شاید یہ اردو کا پہلا ناول ہے۔ جس میں مصنف نے نسائیت کے حوالے سے ایک علیحدہ اور واضح نقطہ نظر دیا ہے جو پہلے لکھے گئے ناولوں میں منفرد تھا۔

ناول کا مرکزی کردار،،کنول کماری ٹھاکر،،مصنفہ کے نسائی نقطہ نظر کو سامنے لاتا ہے۔یہ وہ واحد کردار ہے۔جس کے گرد بقیہ تمام نسوانی اور مروجہ کردار گھومتے ہیں۔کنول کماری کا کردار اس ناول میں نظام شمسی ایسا ہے۔جس کے گرد تمام کردار گردش کرتے ہیں۔ناول نگار نے اس کردار میں اتنے خصائص یکجا کر دیئے ہیں کہ وہ ایک ماورائی مخلوق بن کر رہ گیا ہے۔۲لیکن اس کے باوجود وہ اپنا ایک تاثر رکھتا ہے۔کنول کماری ٹھاکر اس ناول میں انسانیت کی ترویج بالخصوص آزادی نسواں کے لیے سر گرم محل نظر آتی ہے۔۳ناول کے آغاز ہی سے کنول کماری آزادی نسواں کی جدوجہد کرتی نظر آتی ہے جب سماج کے ٹھیکیدار کرشنابوس کو رد یندر سے الگ کرنے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔تو کرشنابوس کی دبتی ہوئی آواز کو اگر کوئی سہارا دیتا ہے تو وہ کنول کماری ہے۔

نام نہاد دین، دھرم کے نام پر ہمیشہ سے سماج کے ٹھیکیدار عورت کا استحصال کرتے رہے ہیں۔،،راوی،،کی اس بات پر کہ لوگ کیا کہیں گے کنول کماری جواب دیتی ہے۔

،،لوگ کیا کہیں گے،،کنول نے اپنے دونوں ہاتھ بڑی بے بسی
سے جھٹک دیئے۔لوگ لوگ کب تک لوگ ہی ہماری زندگیوں پر
حکومت کریں گے۔ہم ان بندھوں سے آزاد نہیں ہو سکتے۔،،۲

اس ناول کا بنیادی موضوع عورت اور اس کا مقدر ہے۔اس کے علاوہ مصنفہ نے سماج کی چند اہم اور تلخ حقیقتوں کی بھی نقاب کشائی کی ہے۔وہ حقیقتیں جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں۔ان میں مردانہ سفاکیت، عورت کی مظلومی اور غلامی، سماجی اور طبقاتی تفریق اور تقسیم، مغرب کے زیر اثر بے راہ روی، مشرقی پستی اور جہالت، بڑے لوگوں کی خود غرضی مفاد پرستی، ابن الوقتی اور بوڑھے لوگوں سے نفرت ایسے مسائل ان کے ناول کا موضوع ہیں۔

مصنفہ نے یہ تمام مسائل عورت کے حوالے سے ہی پیش کئے ہیں۔جمیلہ ہاشمی کے ناول کا مرکزی کردار عورت ہے اور اس کے نسوانی مسائل ہیں۔لہذا تمام واقعات کے تانے بانے اسی کے گرد گھومتے ہیں۔

CC BY

دوسرے ناولوں کے مقابل تانیثیت کے نشانات واضح ہیں، جیسے جمیلہ ہاشمی کا دوسرا ناول،،آتش رفتہ،،ایک بالکل دوسرے موضوع پر لکھا گیا ہے۔اس میں لکھوں کی زندگی،ان کے رسم ورواج اور ان کے نظریات کو بڑی عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔اس میں سکھوں کی توہم پرستی کے ساتھ ساتھ ان کی قبائلی جبلتوں کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ان کے ارادے کی پختگی،ماضی سے قلبی تعلق اور دلی وابستگی کے ساتھ ساتھ احترام کا بھی پتا چلتا ہے۔

اس ناول میں سب سے زیادہ قابل توجہ کردار دلدار سنگھ کی دادی کلپ جس کا شوہر اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔اور اسی قتل کے جرم میں بیٹے کو بھی پھانسی ہوگئی لیکن وہ زبردست قوت ارادی کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔اور وہ اس دن کے لیے زندہ ہے۔جس دن اس کا پوتا دلدار سنگھ اپنے باپ کے مجرم ہر سنگھ سے بدلہ لے گا اور اپنی بستی میں سرخرو ہوگا۔اس ناول میں دلدار سنگھ کی دادی کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو عزم وہمت اور صبر و برداشت کا ایک عظیم پیکر ہے۔ایسا پیکر جو اپنے بیٹے کی پھانسی کا سن کر بھی اپنی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ نہیں بہاتی اور رونے سے منع کرتی ہے۔نہ خود روتی ہے اور نہ دلاسہ دینے کے لیے آئی ہوئی عورتوں کو ایسا کرنے دیتی ہے۔اسی عورت کے بارے میں ڈاکٹر اسلم آزاد نے لکھا ہے:

،،ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کنول کماری ٹھاکر کا کردار مصنفہ کو بار بار جھلک ضرور پیش کرنا چاہتی ہے۔،،۳

جمیلہ ہاشمی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ عورت کو عزم وہمت کا پیکر ہونا چاہیے۔عورت کو وہ نہیں ہونا چاہیے۔جو اسے معاشرے نے بنا دیا ہے۔بلکہ اسے اپنے خصائص پر غور کرنا ہوگا۔وہ بھی مردوں ایسی باہمت اور استقلال کا پیکر ثابت ہو سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام ناولوں میں عورت کے عزم وہمت کے حوالے سے کوئی نہ کوئی کردار ضرور ملتا ہے۔،،تلاش بہاراں،،میں کنور کماری معاشرے کا جیتا جاگتا کردار دکھائی دیتی ہے نہ ان کے قتل کی دھمکیوں پر اس کے پایہ استقلال میں ذرا سی بھی لغزش آتی ہے۔اسی طرح چہرہ بہ چہرہ روبہ رو کی قراۃ العین طاہرہ ایسے ہی کردار کی صورت میں سامنے آتی ہے۔جو شہنشاہ کے ظالم قانون کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتی ہے۔اور بڑی دلیری سے اس کے جرم میں داخل ہونے سے انکار کر دیتی ہے۔اور مرنا قبول کرتی ہے۔جمیلہ ہاشمی کا تیسرا ناول،،چہرہ بہ چہرہ روبہ رو،،ہے اس ناول کو لکھنے کے لیے مصنفہ کو بڑی محنت اور ریسرچ سے کام لینا پڑا۔مصنفہ نے اسے تاریخی پس منظر میں تو ضرور لکھا ہے۔لیکن یہ تاریخی ناول نہیں ہے۔مصنفہ نے تاریخ کو محض پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔۶

اس ناول میں مصنفہ نے ایران میں شاہ قاچار کے زمانے میں پیدا ہونے والے ایک مذہبی فرقے کی سرگرمیوں کے توسط سے ایک مذہبی اور تاریخی کردار قراۃ العین طاہرہ کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔طاہرہ قزوین میں رہنے والے مجتہد خاندان کی بہو اور بیٹی ہے۔اس نے تمام روایت کے برخلاف اعلی تعلیم حاصل کی۔اس کی شاعری اور حسن کا چاروں اور چرچا ہے۔حسن اور ذہانت کا مجسمہ بھی ہے۔علاوہ ازیں یہ کہ وہ موجودہ نظام حیات سے غیر مطمئن ہے اور بڑی شدت سے ظہور آل محمد کی منتظر ہے۔

قراۃ العین حق کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے۔اور اپنے گھر سے بھی بغاوت کرتی ہے۔اور فرسودہ نظام سے بھی اس بنا پر اسے شاہ قاچار کے محافظ قید کر لیتے ہیں۔اور شاہ قاچار کے دربار میں پیش کر دیتے ہیں۔شاہ اس شرط پر معافی کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے عقائد سے توبہ کرے اور معافی مانگے اگر وہ ایسا کر لیتی ہے تو دوسری شرط یہ ہے کہ اسے شاہ کے حرم میں داخل ہونا پڑے گا۔قراۃ العین ایسا کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔اور آخر کار گلا گھونٹ کت اسے مار دیا جاتا ہے۔جمیلہ ہاشمی کے ناول میں عورت کا مقصد ہمیشہ ہی یہ رہا ہے کہ وہ مردوں کے حرم کو آباد کرتی رہی۔اگر وہ ایسا کرتی ہے تو اس کے گناہ معاف کئے جا سکتے ہیں۔بصورت دیگر اسے جینے کا کوئی حق نہیں معاشرہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا،کہ اس کے بنائے ہوئے قوانین کو کوئی توڑے۔اگر یہ توڑنے والی کوئی عورت ہے تو اس کی معافی تو قابل تلافی ہے۔

جمیلہ ہاشمی کے نسوانی کردار اگرچہ حوصلہ مند ہیں۔لیکن معاشرے کی غیر مساوی مردانہ فوقیت حاوی رہی ہے،عورت و مرد کی یہ بے ربط غیر مساویانہ تفریق،،تلاش بہاراں،،

میں کئی کرداروں میں واضح ہوتی ہے۔،،تلاش بہاراں،،کی خواتین دکھوں کے اندھیرے میں گھری ہوئی ہیں۔اور یہی کیفیت آتش رفتہ،یاروہی کے نسوانی کرداروں میں نظر آتی ہے۔جو مرد کے ظلم کو بالآخر عبرتناک انجام سے دوچار کرنے میں محو ہیں۔جمیلہ ہاشمی کے کردار میں نسوانی تنوع اور غیر جانبدار فکری سطح کی دلیل ہے۔انہوں نے کنول کماری کے مضبوط کردار کے ساتھ ان کمزور نسوانی کرداروں کے ہر پہلو کی نوک پلک سنوار کر ابھارا ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا:

،،آپ کی باتوں سے واضح ہے کہ زمانے کی سمجھ اور موجودہ معاشرتی حالات کا جازبہ آپ کے لئے بہت اہم ہیں۔آپ کی روایات میں قراۃ العین طاہرہ جیسی خواتین کی شخصیتوں کو شامل کرنا اور ان کی تجربات کو موضوع بنانا،آپ کی کامیابیوں کا اندازہ دیتا ہے۔آپ کے ناولوں کے ذریعے،آپ مختلف عصور اور ماحولوں کے درمیان موجود تناظرات کو پیش کرتے ہیں اور انسانیت کے بنیادی مسائل پر غور کرتے ہیں۔آپ کی کل کی خلاف ورزیوں کی روشنی میں موجودہ معاشرتی مسائل کا جائزہ لینا اور ان کی شناخت کرنا بہت اہم ہے۔ ۴

جمیلہ ہاشمی کا یہ طویل اقتباس اسلیے لکھا گیا تاکہ ان کے ناولوں کے فن کے بارے میں آگاہی ہو سکے۔چہرہ بہ چہرہ روبہ رو میں قراۃ العین طاہرہ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ آج کسی بھی طاہرہ،زاہد،شاہدہ کے ساتھ پیش آسکتا ہے۔جمیلہ ہاشمی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اپنی بقا اور حیثیت کے نمود کے لیے ضروری ہے کہ عورت اپنی انا کو قربان نہ کرے۔حاکم وقت کے سامنے اپنی انا کو قربان نہ کرے۔

دشت سوس،،اس ناول میں جمیلہ ہاشمی نے منصور بن حلاج کے روحانی سفر کی داستان کو تین حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے۔جس میں حامد بن عباس کی منظور نظر کنیز،،انمول،،کا قصہ کچھ وقت کے لیے سامنے آتا ہے۔یہ وہ کنیز ہے جسے حامد بن عباس نے اپنے حرم میں حاضر کر لیا تھا۔حامد بن عباس کو تمام عمر اس بات کا دکھ رہا کہ اس کی منظور نظر کنیز نے حلاج کے گھر میں کیوں موت کا جام پیا۔اس کا یہ حاسدانہ جذبہ ہی تھا جو آخر وقت میں ابال کی طرح اٹھتا ہے۔اور منصور بن حلاج کو سزائے موت دے کر اپنی رفاقت کا بدلہ لیتا ہے۔حامد بن عباس کو ذرا بھی یہ گوارہ نہ تھا کہ ایک عورت اور وہ بھی کنیز اور وہ یہ کہ اس کی منظور نظر کس طرح دوسرے کو دل دے سکتی ہے۔جمیلہ ہاشمی کا یہی نقطہ نظر ہے۔جس کا انہوں نے متذکرہ بالا انٹرویو میں اظہار کیا تھا۔عورت کو محبت کا حق اگر حاصل بھی ہے تو اس کے بھی تحفظات ہیں۔یہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔اکثر تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کو محبت کا حق بھی نہیں دیا جاتا۔اور اگر وہ خود یہ حق حاصل کر لے تو نہ اسے جینے کا حق دیا جاتا ہے۔اور نہ اسے جس کے لیے اس نے یہ حق استعمال کیا۔حامد بن عباس نے منصور بن حلاج کو اس لئے سزائے موت دی کہ اس نے اس کی منظور نظر کنیز کی محبت کو حاصل کیا تھا۔چونکہ اس کی کنیز سزا کی مستحق تھی تو منصور کس طرح اس سے بچ سکتا تھا۔

جمیلہ ہاشمی کے کرداروں میں عورت چمکتی دمکتی کاروں اور مقتدر نو دولتیے طبقے کی خلوتوں کی زینت بننے کا دکھ جھیلنا پڑتا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

،، شوبھا کی باتوں میں ایک عمیق معنوں کا سامنا ہے۔ان کی تصویریت اور اشاعتی زبانی میں ایک مضبوط پیغام ہے۔وہ اپنے متاثرہ احساسات کو مٹی کی مواصلات کے ذریعے بیان کرتی ہیں۔ان کی خواہش دھرتی بننے کی، ایک انسانی خواہش ہے جو ان کے زندگی کے مختلف مراحل کو نمایاں کرتی ہے۔وہ مختلف روپوں میں بدلتے ہیں،لیکن ان کی جذباتی پیشگوئی اور ان کی تمنائیں قائم رہتی ہیں۔ان کی زندگی کی مسیر زیبائی اور خوبصورتی سے بھری ہوئی ہے،جو دیگر لوگوں کے لئے بھی الہام بخش ہو سکتی ہے۔ ۵

اور مزید لکھتی ہیں۔

،، سائیں میں آپ کے لحاظ کے بارے ناچ رہی ہوں اور نہ پوسٹ سے آئے ہوئے بڑے آدمی کے لیے میرا تو بس ناچنے کو جی چاہتا ہے۔،، ۶

جمیلہ ہاشمی نے اس ناول میں عورت کا ایسا روپ پیش کیا ہے۔ جو اپنے وجود کا اقرار چاہتا ہے، جو کوئی بازار میں بکنے والی ایسی شے نہیں جس کی کوئی خریدار مول لگا سکے، وہ تو گوشت پوست کا ایک زندہ انسان ہے، جو اپنے اندر جذبات اور احساس رکھتا ہے۔ جو محبت کرتی ہے لیکن دل میں رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے عیسی خان کی محبت کا پتا چلتا ہے تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی ہے۔ اور اس وقت اس کے دل میں چھپے محبت کے آتش فشاں کا دہانہ کھل جاتا ہے۔ اور محبت کا احساس سامنے آتا ہے۔

نسوانی تنقیدی نقطہ نظر کو سمجھنے اور ادب پر اس کا اطلاق کرنے کے لیے یہ جاننا اہم ہے کہ تانیثی تنقید جدید مغربی تنقیدی نظریات، ساختیات، اسلوبیاتی تنقید، مارکسی تھیوری، ساختیاتی نفسیات، مابعد جدید تنقیدی تھیوریز کے ہمراہ جدید تنقید کے مکاتیب میں اہم جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا بنیادی طریق کار اور مرکزی استدلال کا نظام انہی جدید تھیوریز سے وابستہ ہے۔ تانیثیتی تنقید نے ۱۹۶۰ میں آغاز ہی سے ساختیات، لسانیات، تجزیاتی تنقید اور مابعد جدید تصورات و نظریات سے اثرات قبول کئے ہیں۔ نسوانی تنقید دراصل ایک علمی، ادبی اور فکری تحریک اور عالمی تناظر رکھنے والی مردانفرادیت مغربی معاشرے کے حوالے سے عورت کے طبقے کی تائید اور حمایت میں وجود میں آئی۔ نسوانی تنقید کے بنیاد گزاروں نے عورت کی حیثیت کو تاریخی، ادبی اور ثقافتی متون میں انسانیت کی لکیر سے بھی نیچے دکھایا ہے اور تسلیم کیا ہے تمام مہذب معاشروں میں عورت کو دنیا میں حقیر اور ضعیف حیثیت دی گئی ہے۔ نسوانی تنقیدی فکر میں عورت کے بنیادی مقام کے تعین کی اہمیت کو ڈسکس کیا گیا ہے۔ تانیثی تنقید کے دو اہم تصورات ہیں۔

ا۔ دنیا کے دو بڑے طبقے مرد اور عورت ہمیشہ ایک دوسرے سے منسلک اور اول الذکر کے غاصبانہ تحکمانہ ستم اور جبر کا شکار رہی ہے۔ اس بنیادی تفریق کا سبب جنسی امتیاز کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی کے تحت دونوں طبقات کا مطالعہ لفظ، جنس یعنی جینڈر کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ دوسرا اہم تصور یہ ہے کہ کسی بھی صنف کو صرف جنسی اختلاف اور انفراد پر کم تر اور برتر قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ قدرت نے انسان کو جسمانی حیثیت میں مرد کو عورت کی نسبت مضبوط اور طاقتور بنایا ہے۔ مگر اس تصور کی غلط تعبیر و تشریح نے نسوانی شناخت اور حیثیت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر الطاف انجم لکھتے ہیں:

،، تانیثیت عورت کی شناخت میں مرد کا وجود کو ایک اہم تکملہ تصور کیا جاتا ہے۔ مرد اور عورت کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ایک مکمل نظام بناتا ہے۔ عورت کو مختلف رولز میں دیکھا جاتا ہے، جیسے کہ ماں، بیٹی، بہن، بیوی، بہو، وغیرہ۔ ان رولز کی وجہ سے عورت کو اعزاز دیا جاتا ہے۔ البتہ، وقتاً فوقتاً عورت کے لئے ناموں جیسے داشتہ، ویشیا، رکھیل، رنڈی، وغیرہ بھی استعمال ہوتے ہیں، جو عورت کی شناخت کے دیگر جوانب کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ عورت کے لئے مرد کا وجود اہم ہے، لیکن یہ اہمیت صرف اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ کافی اور شافی مانا جاتا ہو، بلکہ انسانی حیثیت اور عزت کے تعلق میں بھی اس کا اہم کردار ہے۔ ۷

اس کا حوالہ یوں لکھتے ہیں:

,, Man's identity often stems from his interactions with the world around him - nature, society, and even spirituality. Conversely, woman has often been defined in relation to man. Whether as daughters, wives, or mothers, her identity is often perceived through the lens of her connection to men. ۸

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف سوشیالوجی کے مطابق تانیثیت کی تعریف یوں ہے:

Feminism a movement that attempts to institute social, economic and political equality between men and women in society and end distortion in the relationship between men and women. ۹

جنس اور صنف کے تمازج کا فرق اہم ہے۔ صنف کی بنیاد پر تشخص کو وجودیت کی لازمیت سے جوڑا جاتا ہے۔ جبکہ جنس پر مبنی تشخص، معاشرتی ساخت کا ایک جز ہے، جس کی بنیاد معاشرتی سلسلے، ثقافت اور سماجی اعتقادات پر مبنی ہوتی ہے۔ صنفی تفرقات کو بدلنا ممکن نہیں، اس لئے عورت اور مرد کو صنفی درجات میں تقسیم کرنا غلط ہے۔ اس کے بجائے، معاشرت کی سوچ اور عقائد میں تبدیلی کی ضرورت ہے، جو صرف سماجی، ثقافتی اور اقتداری توازن کی بدلنے سے ممکن ہو گی۔ یہ ایک سیاسی عمل ہے جسے کچھ لوگ "تشخص یا افتراق کی سیاست" کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اس موضوع میں تانثنائت ایک اہم آواز ہے۔ ۱۰

اردو ادب میں بے شمار لوگوں نے اپنے نقطہ نظر کو نسوانی تنقید کے حوالے سے وضع کیا ہے۔ جو مشرقی سماجی روایات اور معاشرتی سٹرکچر کی تفہیم کی صورت سامنے آتی ہے۔ کشور ناہید لکھتی ہیں:

معاشی، ذہنی اور سماجی سطح پر مرد کے اختیارات اور حاکمیت کی فرمانبرداری کو روٹی، کپڑا، مکان، آرام اور نگہداشت کی بیڑیاں صبح و شام لے کر، اپنے وجود سے غفلت کی نیند سلادی جاتی ہے۔ اگر کسی نے اس نیند میں ہر بڑانے کی کوشش کی تو اسے بتایا گیا کہ تم جسمانی طور پر کمزور ہو، تم ہر ماہ آٹھ دن خصوصی ماہواری کی وجہ سے دماغی طور پر ٹھیک نہیں رہتے۔ تم صرف بچے پیدا کرنے اور اگر فرصت ہوتی تو مرد کو سجدہ کرنے کے لئے ہو، تم چراغ خانہ ہو، تم پیمبر نہ بن سکیں۔ اس لیے معاشرہ میں اعلی اقدار تمہارا مقدر نہیں ہو سکتیں۔ ،، ۱۱

ادبی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی تحریکوں کے ساتھ ۱۷۷۹ فرانس میں عورتوں کی طرف سے اجتماعی سطح پر اپنے حقوق اور فکری آزادی خیال کی بندش کو توڑنے کی فلاسفی کو ریاستوں کے بااختیار طبقے کے سامنے لایا گیا۔ اسی دوران میری وولسن کرافٹ کی کتاب پیش کی، جس نے تانیثی منظر نامے پر انوکھے ,, A vindication of the Rights of women طرز میں ہلچل کا آغاز کیا۔ کیونکہ پہلی مرتبہ موثر انداز میں فکری سطح پر عورتوں اور مردوں کے صنفی مساوات، حقوق و فکری آزادی کو زیر بحث لایا گیا۔ اور یہ کتاب کو ایڈمنڈ برک کی کتاب کا جواب قرار دیا جاتا ہے۔ A vindication of the Rights of Man,, 1790.

اس کتاب میں میری وولسن کرافٹ نے عورت کی تکریم، اسے معاشرتی و سماجی انسانی معیارات پر مقام کا حقدار ثابت کیا۔ اس کے جنسی اور صنفی تصور کے مخالف رویوں کو غیر فطری و سماجی استحصالی قرار دیا۔ نسوانی فکر کے فروغ میں جان اسٹورٹ مل کی کتاب ۱۸۶۵ میں شائع ہوئی،

اور مارگریٹ فلر کی کتاب اہم Subjugation of Woman ,, and ,, Woman in 19th century

CC BY

اقدام کی حیثیت رکھتیں ہیں۔ مگر میری وولسن کرافٹ کی تصنیف میں عورتوں میں شعور، احساس ذات، عزت نفس کی بنیاد میں جدید تعلیم کے خطوط پر ہنر مندی کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کو اہمیت دی گئی تاکہ وہ پدری معاشرتی نظام اور اشیا کی ماہیت و قدر سے آگاہ ہو سکیں۔ مگر جان ملر نے ایک متوازی تانیثی فکر پر زور دیا تاکہ عورت حصول علم کے بعد مرد اساس سماج میں فکری صلاحیتوں سے استحکام اور ربط کو قائم کرنے میں معاون ہو سکے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس پر روشنی ڈالتے ہیں کہ :

فیمنزم نام کا اشارہ کرتے ہوئے، جان اسٹورٹ مل کے خیالات کو لبرل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ ان خیالات کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ یہ ایک لبرل سیاسی مفکر کے نظریات ہیں۔ جان اسٹورٹ مل نے بھی عورتوں کے علم کی اہمیت کو مانا۔ ان کا کہنا تھا کہ علم کی بنا پر عورت کو اپنے اندر کی قدرتی صلاحیتوں کو سمجھنے اور تجربہ کرنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ علمی تعلیم عورت کو بہتر اور مفید شہری بنانے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ بنیادی طور پر، لبرل فیمنزم نے عورت کی محدود دنیا کو وسعت دینے کی کوشش کی، جو کہ اصل میں پدری نظام کی استواری پر مبنی تھی۔ ۱۲

تمام تانیثیتی فکری نظریات اور مفکروں کی انقلابی روح نے نسوانی حقوق اور شناخت کو معاشی اور سیاسی سطح پر اجاگر کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کرلی۔ اس کی ایک اہم مثال مغربی معاشروں میں عورت کو ووٹ کا حق تفویض کیا گیا۔ مگر عورت کے لیے اتنا ہی کافی نہیں تھا بلکہ اسے روزگار، جائیداد کا حق، مساوی تنخواہ، مذہبی سطح پر گرجا گھروں میں مساوی حیثیت کا حصول اہم مقدمات کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی تناسب سے بیسویں صدی عورتوں کے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی وجود کے انقلاب کی صدی بن گئی۔ یوں اس صدی کے فکری انقلابات میں تانیثیت نئی فکری اور نظری اقدار سے متعارف کروانے کا باعث ہوئی۔ عورتوں کی مجموعی جدوجہد میں پدری نظام کے غلبے کے رد میں خواتین مصنفین نے انفرادی انداز میں اپنی تحریروں میں تاریخی اور ادبی متون میں عورت کو موضوع بنا کر جتایا کہ عورت کسی بھی طور پر مرد سے کمزور نہیں ہے اسی حوالے سے مرد کی نسوانی متون کی تشریح و توضیحات مختلف ذہنی تحفظات میں محدود ہو گئی۔ مگر اس کے متخالف ریبیکا ویسٹ اور ووجینیا وولف نے اپنے ادبی مضامین اور تصانیف کے ذریعے ایک ذکوری معاشرے میں نسوانی نقطہ نظر کی اہمیت منوالی۔ اس لیے ڈورتھی رچرڈسن نے اپنے ناول پلگرمیج کے موضوع میں نسوانی معاشی اور سماجی انسلاکات پر موئثر مباحث کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں سیمون دی بوار نے تانیثی تناظر میں جدید تفکرات اور تہذیبی رویوں کو مدلل انداز میں شروع کیا۔

اس کتاب میں عورت کی پدری ثقافتی نظام کے پس منظر میں مرد The Nature of second Sex مصنفین کو معتبر انداز میں اجاگر کر دیا۔ در حقیقت سیمون دی بوار نے مرد ممتاز سماج میں نسوانی حقیقت اور فطری تصورات کی بازیافت کی تجدید کر دی۔ تانیثیت کو مابعد جدیدیت کی ضمنی تنقیدی تھیوری سے منسلک کیا جاتا ہے اسی تناظر میں تانیثی فکر کا تعلق پس ساختیات اور نئی مارکسی تنقیدی فکر سے بھی جوڑا جاتا ہے۔ اس کا اہم سبب یہ بھی ہے کہ مابعد جدیدیت تمام ادعائیت اور آفاقیت سے الگ لامرکزیت اور مقامیت پر مصر ہے۔ اردو ادب میں تانیثیت سے مراد ایسا ادب ہے جسے عورت نے تحریر کیا ہے۔

،،اردو دنیا تک نسواں، تانیثیت کی اصطلاحوں اور الفاظ کی معنوی صورتوں سے باہر نہیں نکل پائی۔،، ۱۳

اردو میں کئی نامور ناقدین گوپی چند نارنگ، ناصر عباس نیر، عتیق اللہ قاضی افضال حسین نے تانیثی نظریات کو بنیادی تصورات کی تفہیم میں شعوری کوشش کیں جو بہت حد تک کامیاب ہو گیں۔ اردو ادب میں بے شمار تانیثی فکری مصنفین خواتین اور مرد سامنے آئے جنہوں نے عورت کے فطری تصور اور حقوق پر کئی سوال اٹھائے اور نسوانی تصور کی نئی توضیح کی۔ اور سماجی اور معاشی اقتصادی نوعیت کو نمایاں کیا۔ انہی عشروں میں اردو ادب میں تانیثی شعور واضح طور پر ابھرا۔ عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر، حاجرہ مسرور، خدیجہ مستور اور دیگر خواتین لکھاریوں میں جیلہ ہاشمی انفرادی فکری مقام رکھتی ہیں۔

،، تلاش بہاراں،، جیلہ ہاشمی کا پہلا ناول ہے جسے آدم جی ادبی انعام سے نوازا گیا۔ فنی کمزوری سے قطع نظر، جیلہ ہاشمی کے اس ناول میں نسائیت کے حوالے سے ایک خاص نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔ جو اس سے پہلے لکھنے والی خواتین کے ناولوں میں مفقود تھا۔

ڈاکٹر اسلم آزاد کے خیال میں :

ناول کی کہانی اس دور میں لکھے جانے والے بیشتر ناولوں کی طرح آزادی اور اس سے کچھ پہلے کے زمانے کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں ایک ایسی قوم کو پیش کیا گیا ہے جو بہاروں کی تلاش میں سو برس سرگرم عمل رہتی ہے، اور ان عملی سرگرمیوں کا نتیجہ خونریزی اور فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ نیلم فرزانہ اسلم آزاد کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "اس ناول میں آزادی سے قبل کے دور کو گرفت میں لینے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ اس دور کو پس منظر بناتے ہوئے جس امر پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے، وہ ہندوستانی سماج میں عورت کا استحصال اور اس کی مظلومیت ہے۔ اس طرح ناول کا موضوع آزادی کی جدوجہد نہیں ہے بلکہ ناول کا کردار اس جدوجہد میں حصہ لیتا نظر نہیں آتا۔" تلاش بہاراں کا اسم در اصل ناول کے ایک کردار کنول کماری ٹھاکر کی کوششوں اور جدوجہد کا استعارہ ہے، جو اس نے عورتوں کی بھلائی، ان کے حقوق کی حفاظت، اور عورتوں کی عام ذہنی صورت حال کو بدلنے کے لیے کی۔ اس ناول میں جتنے بھی کردار پیش کئے گئے ہیں، ان سب کی کہانی ہندوستانی عورت کا مقدر قرار پاتا ہے۔ ۱۵

اس کے علاوہ اس ناول میں مصنفہ نے عورت کی سماجی پستی، غلامی، جہالت مردوں کے ذہنوں میں عورت کا گھٹیا تصور طبقاتی اونچ، نیچ کے مغربی حوالے سے بے راہ روی مشرق کے لوگوں کی ذہنی پستی اور جہالت ایسے موضوعات اس ناول کا حصہ ہیں۔ اس طرح ہندوستان معاشرے میں طاقتور طبقہ کی خود غرضی، مفاد پرستی ابن الوقتی اور بوڑھے لوگوں سے نفرت کو بھی اس ناول کا موضوع بنایا گیا ہے۔ جمیلہ ہاشمی کا ناول،، تلاش بہاراں،، ایسے ناولوں میں ایک ہے۔ ۶۴۴ صفحات کے اس ناول میں فنکارانہ تجربات نے اظہار بیان میں کوئی غیر معمولی کامیابی حاصل نہیں کی۔ ایک قوم جب ہزاروں برس بہاروں کی تلاش میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ اور ان عملی سرگرمیوں کا انجام خونریزی، قتل وغارت اور فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں آتا ہے۔ ملک کی تقسیم کے المناک تجربے کو قراۃ العین حیدر نے،، میرے بھی صنم خانے،، میں جس فنکارانہ ہوشیاری اور حسن و تواتر کیساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں یہ ناول کسی قدر مختلف اور کمزور نظر آتا ہے۔ جمیلہ ہاشمی نے کوشش تو کی کہ اپنی تصنیف،، تلاش بہاراں،، ایک مکمل فکری نمونہ بن کر ابھرا ہے۔ ماحول کی عکاسی میں تفصیل پسندی اور معاشرتی عناصر اور جزئیات کی وضاحت بہت گہرائی اور باریک بینی سے کام بھی لیا ہے۔ مگر یہ پہلو مکمل طور پر واضح ہے کہ تکنیک میں سادگی اور تسلسل کے باوجود واقعات میں نظری بہاو اور کرداروں میں جانداری نہیں ابھر سکی۔ اس ناول میں،، میں،، ایک اہم کردار ہے۔ اسی کے ذریعے واقعات کی کڑیاں ملائی گئی ہیں۔ اور اسی کے توسط سے ناول کے واقعات آگے بڑھتے ہیں۔ ناول چونکہ بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ اسی لئے اس میں کہیں کہیں خطابت اور طوالت کے باعث بے کیفی کا احساس ابھرتا ہے۔

CC BY

،، تلاش بہاراں ،، میں کرداروں کی بہتات ہے۔ مجموعی طور پر ناول میں کرداروں کی بھیڑ سے کردار نگاری عموماً بے جان، بے ثمر اور بے کیف ہو جاتی ہے۔اس ناول میں کرداروں کی تعمیر و تشکیل میں فنی سلیقہ مجتمع نظر نہیں آتا،ان میں تنوع کی کمی احساس ابھرتا ہے۔اور نہ ذہن واحساس میں وسعت کا منفرد تاثر ابھر پاتا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کی طرح جمیلہ ہاشمی کے کردار کا مجموعی تاثر مین یک رخے ہیں۔اور ،، یک پن ،، میں زندگی بھر مبتلا رہتے ہیں۔اس ناول میں کرداروں کے اس جنگل میں اگر کوئی کردار قائم دائم رہتا ہے۔

اور منفرد نظر آتا ہے۔وہ کنول کماری ٹھاکر کا کردار ہے جو ناول کے سارے تار و پود پر چھایا رہتا ہے۔یہ کردار مثالیت پسندی کا بہترین نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔دنیا کی تمام ممکنہ خوبیاں اس کردار میں موجود ہیں۔خوبصورتی، ذہانت، لیاقت، ذہنی بیداری، خدمت خلق کا جذبہ، حریت پسندی، صحافیانہ صلاحیت، انتظامی طاقت، سنجیدگی، متانت، پاکبازی، حق گوئی، بے خوفی، قوم پرستی، حب وطنی، انسانیت پرستی، ایثار وخلوص وغیرہ جیسی خصوصیات پر مبنی ایک مثالی پیکر بن کر سامنے آتا ہے۔

ناول ،، تلاش بہاراں ،، کے مرکزی کرداروں کے علاوہ اس کے ضمنی کردار بھی حرکت و عمل کے اعتبار سے یکسانیت اور بے کیف یک رخی کے اسیر دکھائی دیتے ہیں۔یہ سب تخیلی اور تصوراتی کردار ہیں اور زندگی کی گرمجوشی اور توانائی سے محروم رومانوی انداز ناول کے حسن واثر کو بہت کم تر کر دیتا ہے۔تمام کردار خیالی طرز کے پیکر بن کر جھلکتے ہیں۔اسی لیے ان کے اندر دلکشی اور حسن معدوم تاثر لئے ہوئے ہے۔کردار نگاری کے لحاظ سے یہ ناول کمزور ہے۔ ناول شامل باقی تمام کردار اس کے رعب اور شخصیت کے سائے میں دبے رہتے ہیں۔جبکہ ناول کا ہیرو ،، راوی ،، میں ،، کہانی کے آغاز سے آخر تک چلتا تو رہتا ہے۔لیکن کہیں بھی اپنا اثر نہیں چھوڑتا۔ان دو مرکزی کرداروں کے علاوہ کرشنا، شوبھا، نیرا، دینا، رادھے کرشن، ڈون وارئن، راجیندر، نروپما، ہیرا بائی اور چندر شیکھر کچھ وقت کے لیے سامنے آتے ہیں۔اور ناول کے مرکزی کردار کو تقویت دے کر پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔

ناول کے تمام کرداروں پر کنول کماری ٹھاکر کا کردار ایک گھنے درخت کی طرح چھایا رہتا ہے۔یہ تمام کردار کنول سے مرعوب اور مغلوب دکھائی دیتے ہیں۔جمیلہ ہاشمی نے اپنے قلم کا سارا زور اسی کردار پر صرف کیا ہے۔اور اسی کردار کی زبانی اپنے تصورات بالخصوص عورت کے حوالے سے اپنے تصورات قاری کو سامنے لاتی ہیں۔کنول کماری جمیلہ ہاشمی کا آئیڈیل کردار ہے۔اور اسی کردار کے اعمال وافعال اور اقوال کے ذریعے مصنفہ نے عورت کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے اس ناول میں نسوانی کرداروں کے جذبات اور کیفیات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔عورت ہونے کے ناطے وہ ان کے مزاج، نفسیات، مسائل اور احساسات کو نہ صرف بخوبی سمجھتی ہیں۔بلکہ ناول میں ان بڑے اچھے انداز میں پیش بھی کرتی ہیں۔جمیلہ ہاشمی کے خیال میں عورت اس کائنات کا ایک خوبصورت تحفہ ہے۔اور اس کائنات کی رنگینیاں اور رعنائیاں عورت کے وجود ہی سے قائم ہیں۔عورت نہ ہو تو یہ کائنات اپنی اہمیت اور رنگینی کھو دے۔

کائنات کا رنگ یقیناً عورت کا مرہون منت ہے اور زندگی میں پہلی بار مجھے ان کہانیوں کی سچائی معلوم ہوئی، جو مذہب کا پس منظر ہیں۔اس میں شعر کی عظمت پاربتی کے ذریعے اور آدم کی بڑائی حوا کی وساطت سے ظاہر کی گئی ہے۔بیشک، عورت نہ ہو تو رنگ پھیکے اور چاندنی بے کیف لگے، اور دنیا میں کوئی جاذبیت باقی نہ رہے۔ ۱۶

عورت کی معاشرے میں کئی حیثیتیں ہیں۔وہ ماں بھی ہے جو بچوں کی تخلیق اور تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔بیٹی بھی ہے جو پہلے اپنے باپ اور بھائیوں کی قید میں رہتی ہے اور شادی کے بعد اپنے شوہر اور بچوں کو خراج ادا کرتی ہے۔بیوی بھی ہے جو ایک طرف شوہر اور دوسری طرف سسرال کی ناز برداری کرتی ہے، ان سب حیثیتوں کے باوجود اسے کوئی مقام نہیں دیا جاتا۔ان تمام رشتوں میں جبر اور استحصال کی کارفرمائی پوشیدہ ہے۔جو ان رشتوں کے نام پر کبھی باپ، کبھی بیٹا اور کبھی بھائی اور کبھی شوہر کرتا ہے۔اسے کبھی عورت کے حوالے سے نہیں دیکھا گیا۔

آخر وہ ایک عورت بھی ہے۔اس کے اپنے احساسات اور جذبات ہیں وہ بھی معاشرے کا ایک فعال رکن ہے۔لیکن برصغیر کا معاشرہ اپنے لگے بندھے اور فرسودہ تصورات کے پیمانوں سے عورت کی سماجی قدر و قیمت اور اہمیت کو ناپتا آیا ہے۔اس نے کبھی عورت کے اندر اتر کر اس کی اصل حیثیت کو دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی۔عورت کی اسی حیثیت کے اثبات کو جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔

کنول کماری مجھ سے کہتی تھی: "تم لوگ عورت کو اس لئے ہی کیوں دیکھتے ہو کہ وہ مرد کے لیے زندہ ہے۔اس کی اپنی الگ کوئی زندگی کیوں نہیں ہے؟ اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے۔تم اس کو دیکھو گے تو بیٹی کی حیثیت سے بہن بنا کر، بیوی اور ماں کی طرح کیا عورت ان حالتوں کے علاوہ ایک عورت نہیں ہے؟ اگر تم ایک مرد بن کر زندہ رہتے اور ترقی کرتے ہو تو کیا عورت بہن، بیٹی، بیوی کے رشتوں سے بلند ہو کر نہیں رہ سکتی؟ تم نے اپنی عقل کے جو پیمانے بنالے ہیں، انہیں عورت کی شرافت، اس کی عزت، اور اس کی ہستی کے ناپنے کے لئے کیوں مقرر کرتے ہو؟" ۱۷

جمیلہ ہاشمی عورت کے قدیم اور فرسودہ تصور کو رد کر کے اسے نئے حوالوں سے دیکھتی ہے اس کے خیال میں عورت کی اپنی ایک الگ شناخت ہے۔اس کی یہ شناخت مردانہ معاشرے نے اس سے چھین لی ہے۔عورت کا انفرادی اور علیحدہ تشخص ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے پیمانوں تلے دب کر رہ گیا ہے۔ معاشرے نے اگر عورت کو کوئی حق دیا ہے تو کیا فرض کا ی جائے؟ معاشرے نے اول تو عورت کو کوئی حق دیا ہی نہیں اور اگر اسے کوئی حق دیا بھی گیا ہے تو اس میں بھی جبر اور استحصال کا عنصر پوشیدہ ہے۔اور اس حق کو بھی معاشرے نے بعض تحفظات کے ساتھ عورت کو دیا ہے ان میں سے ایک حق محبت کا ہے۔اس حق میں بھی درپردہ مرد کی دست نگری پوشیدہ ہے۔اسے بھی مرد نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔اس حق نے بھی عورت کو اصل شخصیت اور شناخت کو کچلا دیا ہے۔کرشنا اس بات کا اظہار کتنے واشگاف انداز میں کرتی ہے۔

"کرشنا بھی کنول کے ساتھ بول اٹھی: 'مجھے بتاؤ، محبت کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں ہے، جس سے ہم اپنی انفرادیت قائم رکھ سکیں۔کوئی ایسی راہیں نہیں ہیں، جن سے ہم اپنے آپ کو پا سکیں۔کیا عورت کی نجات اسی میں ہے کہ وہ تیز موٹروں اور ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے راہوں پر کسی کا انتظار کرتی رہے؟ کیا وہ محبت سے بند نہیں ہو سکتی؟' ۱۸

ناول میں راوی ایک ایسا کردار ہے، جو پورے ناول کی کہانی کو ساتھ لیکر چلتا ہے۔یہ کردار نھی کنول کماری سے متاثر ہے نہ صرف اس کے خیالات کو پسند کرتا ہے بلکہ اس تحریک میں حصہ لینے کا شدید خواہش مند ہے اس کے خیالات بھی مصنفہ کے خیالات کا پرتو ہیں وہ گاہے بگاہے عورت کی مظلومیت، بے شناختی اور بے چارگی پر کڑھتا رہتا ہے۔

"ناول میں کنول کماری کے کردار پر مزید روشنی اس تبصرے کے حوالے سے پڑتی ہے جس تناظر میں مردانہ نفسیات کی تفہیم میں خود جمیلہ ہاشمی کا نقطہ نظر سمجھنا ضروری ہے۔مرد ذہین عورتوں کو کوئی اچھا مقام نہیں دیتے۔وہ عورتوں کے ذہن کی تعریف کرتے ہوئے انہیں اس جماعت سے خارج کر دیتے ہیں جو ان کے معاشرے کا نصف سے بھی زیادہ حصہ ہیں۔ذہین عورتیں مردوں کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں اور جب کانٹے کی خلش سے تنگ آجاتے ہیں تو اسے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔" ۱۹

جمیلہ ہاشمی کے نزدیک چند ایک ہی کردار نسائی فکر کے ترجمان ہوتے ہیں۔

CC BY

،،کاش کوئی میرے لیے یہ معمہ حل کردے کہ جب ہم عورت کو "ماں، بہن، بیٹی بنا کر دیکھتے ہیں، وہ پھر بھی لاوارث کیوں رہتی ہے، اور پھر اسپتال کے سرد خاموش کمروں میں کراہتی ہوئی تخلیق کی بلندی کو چھونے کی کوشش میں مر جاتی ہے۔" ۲۰

جمیلہ ہاشمی کے خیال میں عورت سے اس کا عورت پن چھیننے میں اگر مرد پیش پیش رہا ہے۔ تو عورت بھی اپنی قصوروار ہے۔ اگر اس نے قرۃ العین طاہرہ کی طرح اپنا حق مانگا ہوتا اور ظالم کے خلاف۔۔۔۔۔۔نہ ڈالتی تو آج معاشرہ اس کے حقوق غصب نہ کر سکتا۔ کرشنا کے سوال پر کنول جواب دیتی ہے۔

"مگر سنو تو سہی، اس کائنات میں ظالم کا قصور بھی اتنا ہی ہے، جتنا مظلوم کا سوال تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو گاڑی کے پہیوں سے کچلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ کیا کشمکش کر کے اس سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے؟" ۲۱

جمیلہ ہاشمی کے خیال میں عورت کو قرۃ العین طاہرہ کی طرح تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے تو وہ اپنا حق حاصل کر سکتی ہے۔ اپنے حق کے لئے آواز بلند کر سکتی ہے ظالم کے خلاف بول سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں کنول کماری بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی ہے اسے ان بچیوں کے مستقبل سے بہت امیدیں وابستی ہیں۔

"جب میرا کالج اور پھلتی پھولتی نئی پود، کبھی کبھار میں آنکھیں بند کر کے سوچتی ہوں تو لگتا ہے کہ یہ سب بچیاں ان عظیم ارادوں کی یادیں ہیں۔ اس آزادی کا سنگ بنیاد بنیں گئیں۔ جب عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی سے اونچی ہو گی، جب عورت صرف عورت ہو گی۔ عورت اکیلی طاقتوں کے آسمان پر اپنے سہارے خود ہی اڑ سکے گی۔ جب عورت کمزور نہ ہو گی، جب تم اسے پھر ستونتی کہہ سکو گے۔ جب اس کی رائے کی مضبوطی کو عمر بھر اڑا لئے جائے گی۔" ۲۲

جمیلہ ہاشمی کا مزاج مشرقی اور ذہن ہندوستانی ہے ان کے خیال میں عورت میں حقیقی عورت پن اسی وقت برقرار رہتا ہے جب اس میں اپنی روایات سے تعلق قائم رکھنے کی صلاحیت ہو۔ جب عورت اپنی مشرقی اقدار کو یکسر توڑ کر پھینک دیتی ہے۔ تو وہ معاشرے کے لیے ناکارہ ہو جاتی ہے۔ عورت کا وجود اپنی روایات کے جاندار عناصر کے الحاق سے بھی باقی رہ سکتا ہے کنول کہتی ہے۔

"ہمارے ہاں ہندوستان میں عورت ایک اندھی بہری اور گونگی بجلی ہے جو کبھی کبھار گرتی ہے۔ میں تمہیں بتاوں تم مغرب کی روشنیوں میں پھنس گئے تھے۔ اپنے آدرش اور اپنے راستے اب بھی سچے ہیں۔ ہم اب بھی زندگی کے نزدیک ہیں۔ بدیسی عورت چمک سکتی ہے۔ نشہ بن کر گرا سکتی ہے۔ اٹھا نہیں سکتی۔ وہ اندھیارے کو روشن نہیں کر سکتی۔" ۲۳

جمیلہ ہاشمی عورت کے وجود کی بقا کے لیے جاندار مشرقی اقدار کو تو عزیز رکھتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بعض فرسودہ اور گھسی پٹی روایات کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ ان روایات اور رسوم کو جنہوں نے نہ معلوم کتنی زندگیوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ کتنی زندگیوں کے مستقبل کو تاریک کر ڈالا۔ کتنے ارمانوں کو زندہ در گور کر دیا۔ اور کتنی خواہشات کو جنم لینے سے پہلے ہی نابود کر دیا۔

جمیلہ ہاشمی عورتوں کی آزادی کی تو قائل ہیں۔ لیکن ایک حد بندی کے ساتھ۔ وہ حد بندی زندہ مذہب اور جاندار روایات کی ہے۔ ان کے خیال میں مرد کب تک عورت کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے رکھیں گے۔ کب تک اسے اپاہج بنائے رکھیں گے۔ وہ کیوں نہیں چاہتے کہ زندگی کے اس سخت مشکل قافلے میں ایک تندرست اور روشن دل و دماغ کا حامل۔ مرد (عورت) ان کی ہمراہی کرے۔ کنول کماری نے رادھے کرشن کی موت کے بعد ایک طویل تقریر کی۔ یہ تقریر ان کے انہی خیالات کو پیش کرتی ہے۔

"آپ اپنی عورتوں کو گھر میں قید رکھنا چاہتے ہیں۔ میں ایک حد بندی کے خلاف نہیں ہوں۔ اور پھر گزرے زمانے کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ وہی ہمارے پاس ہے۔ راجپوتانے کی بیرانیاں، سوبھاگیہ ستونیاں، چاند بی بی نور جہاں کیا وہ ہماری نہیں ہیں۔ کیا ہر عورت کے سینے میں نور جہاں، چاند بی بی اور پرتاب کی بیٹی کا سا دل نہیں ہے۔ ہمارا گھر ایسے میں تباہ ہو رہا ہے۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں عورت کو قید رہنا چاہیے۔ اسے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ آپ کیوں ہر صورت کے سینے میں نیکی اور بلندی کو سلا کر وہاں ایک دبی دبی سہمی سہمی مظلوم اور بے کس بستی پیدا کر رہے ہیں۔ جو بولے تو آپ کی زبان سے دیکھے تو آپ کی آنکھ سے چلے تو آپ کے کندھے پر بوجھ ڈال کر۔ اس گونگی، بہری اور اندھی مخلوق کی بجائے تندرست اور روشن دل و دماغ کی حامل ساتھی کیوں پیدا نہیں کرتے۔ آپ کا سفر لمبا ہے۔ راستہ الجھا ہوا ہے۔ ایسے دوست بنا کر زادراہ کو اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔" ۲۴

جیملہ ہاشمی کا خیال ہے کہ مشرقی عورت اسی وقت ترقی کر سکتی ہے۔ اس وقت اپنا تشخص قائم کر سکتی ہے۔ جب وہ مغرب سے درآمدہ صالح اور زندہ عناصر کو قبول کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی مشرقی روایات کے زندہ عناصر کو بھی اپنا حرز جاں بنائے۔ اگر ہم اپنی عورت کو یہ چیزیں دیں گے۔ تو ہمارے عہد کی عورت آنے والے زمانے کا مرد کے ساتھ ساتھ مقابلہ کر سکے گی۔ ورنہ وہ زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے لیے پیچھے رہ جائے گی۔ ہمارے آج کی عہد کی عورت اگر اپنا تشخص اور شناخت تلاش نہیں کر سکی تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے یہ دو زندہ عناصر کو ابھی تک قبول نہیں کیا۔ اور اس کے معاشرے نے بھی اسے یہ اجازت نہیں دی۔

کنول کماری ایک تقرر میں کہتی ہے:

"آپ مغرب کی آزادی کی مثالیں دے کر پیش بندی کی خاطر وہ غلطی نہیں کرنا چاہتے جو انہوں نے کی ہے۔ اور میں کہتی ہوں۔ آپ کو پچھتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں ایک سچے انسان کی طرح جو پوتر اگنی کے سامنے کھڑا ہو کر سوگند اٹھاتا ہے۔ آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ کو کبھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ ہمارے پاس ایک گزرا ہوا زمانہ ہے جو بے راہ روی کے وقت ہمارے کام آئے گا، جو ہم کو بھٹکنے سے بچا سکتا ہے۔ ہم آج سے اپنی روایتیں تعمیر کرنے کے لیے تیار ہیں کیا ہم آنے والے زمانوں کے لیے اپنی بہتر اور سچی مثالیں نہیں چھوڑنا چاہتے۔" ۲۵

کنول کماری عورت کے سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوئی وہ عورت کے حوالے سے اعتدال کا راستہ اپنانا چاہتی ہے۔ اور یہی راستہ انہیں دکھانا چاہتی ہے۔ ناول کا راوی کہتا ہے۔

"یہ نہیں کہ وہ یورپ کے ترقی کرتے لوگوں کے خلاف تھی۔ بلکہ وہ ان سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اس کے سامنے اعتدال کی وہ راہ تھی۔ دھیرج کا وہ سبق تھا جو یورپ کی قوموں نے ابھی نہیں سیکھا تھا۔" ۲۶

جمیلہ ہاشمی نے اس ناول میں عورت کے وجود اور تشخص کے سلسلے میں جو باتیں بھی کنول کماری ہار سکے رفیق کرداروں سے کہلواتی ہیں ان میں کہیں بھی وہ افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوئیں ہر معاملے میں وہ اعتدال اور دھیرج کا راستہ اپنانے کا مشورہ دیتی ہے تو ساتھ میں اسے اس بات کا پابند بھی کرتی ہے کہ اسے اپنی ماضی کی زندہ روایات سے دامن نہیں چھڑانا ہے۔ ان کی مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ انہیں ساتھ لے کر چلنا ہے۔ اگر وہ عورت کے لیے سیاست کے خارزار میدان میں قدم رکھنے کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ تو ساتھ ہی وہ اس بات کو بھی پسند کرتی ہے۔ کہ عورت کو گھر گھر ہستی کے کاموں میں بھی طاق ہونا چاہیے۔ کسی ایک چیز کو بالائے طاق رکھ کر عورت اپنا صحیح تشخص قائم نہیں رکھ سکتی۔

ناول کا راوی جب کنول کماری کے گھر آتا ہے۔ اور کنول نیرا کو شربت بنانے کے لیے بھیجتی ہے تو راوی حیران رہ جاتا ہے۔ کہ کیا یہ بھی سیاسی کاموں کا حصہ ہے۔ اس پر کنول کا جواب یہ ہے:

،،بولی میں جو عورت ہوں نا، اور عورت کو یہ سب کام آنے چاہیں۔،،۲۷

،، تلاش بہاراں،، کے واقعات ۶۴۴ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔اس میں ناول نگار نے نمایاں کرنے کی بھرپور سعی کی ہے کہ سو برس تک ایک قوم بہاروں کی تلاش اور خوبصورت مستقبل کی جستجو میں منہمک رہتی ہے۔ اوراس کا انجام فرقہ وارانہ فسادات اور قتل وغارت گری کی صورت میں ابھرتا ہے۔ناول کا انداز تحریر بیانیہ ہے اسی لئے راوی واقعات وتجربات کو قصے کے رنگ میں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔چونکہ ناول کے واقعات راوی کے بیان پر منحصر ہیں اور اسی کے ذریعے آگے بڑھتے ہیں۔اس لیے لازمی طور پر کرداروں کے ذریعہ واقعات کے فطری بہاو کے آثار نظر نہیں آتے۔واقعہ نگاری کے مراحل میں کہیں کہیں جذباتیت اور رومانویت کا عنصر اس حد تک ہو گیا ہے کہ حقیقت پسندی سے یہ واقعات بہت دور چلے گئے۔ان میں عضویاتی تنظیم برائے نام ہے۔اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ ناول کے پلاٹ میں تمام واقعات سمو دیے گئے ہیں۔مگر ان واقعات کی وابستگی بالکل کمزور اور بے ضابطہ ہے۔واقعہ کے ذریعے جذباتیت واحساسات اور ان کی تفصیلات کو واضح کرنے کی سعی بھرپور کی گئی ہے لیکن ان کے اندر صحیح معنوں میں حسن واثر کم پیدا ہوا۔جذبہ واحساس کو جگانے کی کیفیات قدرے نامکمل نمایاں ہوتی ہیں۔بظاہر واقعات اونچے آدرشوں سے متعلق ہیں۔ناول نگار کے جذبے کے خلوص اور گرمجوشی میں کمی کے باعث واقعات میں کھوکھلا پن ابھرتا ہے۔ناول کی تکمیل کے لیے تاریخی حقائق کا سہارا تو لیا گیا ہے۔مگر ان تاریخی حقیقتوں کے استعمال کا طریقہ بے جان ہے۔ناول کے تمام واقعات خارجی نوعیت کے تحت افقی اور عمودی سطحوں گہرے ہیں۔اور داخلی اور خارجی انداز میں رینگتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ان واقعات کے پس منظر میں معاشرتی کرب وابتلا اور سماجی اضطراب کی لہریں موجزن ہونے کا احساس نمایاں ترتگ ودو میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔یہی ان کی بے تاثر کیفیت کا باعث بھی ہے۔اگر مجموعی طور پر،، تلاش بہاراں،، کی فضاآفرینی کا جائزہ لیا جانا اہم ہے۔تاریخی واقعات کے پس منظر میں تہذیبی حقائق کی روشنی میں لکھا تو گیا ہے، مگر مجموعی طور پر اس کا مزاج رومانی ہے۔ناول کی فضا پر رومانوی احساسات غالب ہیں۔معاشرتی حقیقتوں اور سماجی زندگی کی تلخیوں کا جہاں سیاسی بیانات میں تفصیلی تجزیہ لیا گیا ہے، وہاں تقریر کا رنگ پیدا ہو نا فطری انداز ہے۔یہ تقریری انداز بھی ہے، اور کہیں کہیں رپورٹنگ کی تکنیک بھی برتی گئی ہے۔ناول نگاری نے ہجرت اور ملکی تقسیم کے مسئلہ کو ایک مورخ کے ذہن سے دیکھا اور لکھا ہے۔یہاں نہ تخلیقی زبان کو برتنا اہم تھا اور نہ ہی تخلیقی طرز تحریر اہم تھا۔مگر دائروی فکری تنقیدی اظہار بیان سے جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جمیلہ ہاشمی نے نثر میں شاعری کی ہے۔یہی اس ناول کی فطری خوبی بھی ہے اور خامی بھی۔اگر مجموعی طور پر تجزیہ کیا جائے تو جمیلہ ہاشمی کا مزاج، مشرقی اور ذہن ہندوستانی ہے۔ ہندوستانی عورت کے نزدیک کسی غیر مرد کا تصور بھی حرام سمجھا جاتا ہے۔شوہر پرستی اور وفاشعاری جس کا دین اور ایمان سمجھا جاتا ہے۔جمیلہ ہاشمی کو مشرقی اقتدار عزیز تو ہیں۔لیکن بعض ہندوستانی روایات کی وہ سخت مخالف ہیں۔یہاں غلط اور جابرانہ رسوم نے نہ معلوم کتنی زندگیوں کو جہنم رسید کرنے سبب کا بنایا گیا۔دکھوں اور آنسوؤں کے سمندر میں نہ جانے کتنے وجود فنا ہو گئے۔ناول نگار نے مغرب کی اچھائیوں اور خوبیوں کو بھی سراہا ہے ناول کی فکری وفنی اور تکنیکی طرز میں تلاش بہاراں کی فضاآفرینی میں توانائی کا عنصر مفقود ہے مگر کرداروں کی تشکیل میں اور قصے کی ترتیب میں سحر آفرینی قائم ہوتی ہے۔تہذیبی اور ثقافتی بیانات کی بے جا طوالت قارئین اور ناقدین کے لیے تنقیدی تجزیے اور مطالعے کے نئے مراحل کی متقاضی بن جاتی ہے۔ناول کے پلاٹ کو تاثر کو جانچا جائے تو،، تلاش بہاراں،، کے پلاٹ میں حسن واثر کی کمی اور تصادم ابھرتا ہے۔ماجرا نگاری بھی ڈھیلی ڈھالی ہی ہے۔واقعات گھٹے ہوئے اور مربوط نہیں ہیں۔کرداروں میں زندگی کی حرارت اور تنوع نظر نہیں آتا لیکن جمیلہ ہاشمی کی بڑی اہم خوبی کرداروں کے تار وپود کو کہانی کے پلاٹ اور واقعات، جذبات اور کیفیات کی نہایت خوبصورت عکاسی کی ہے۔عورت ہونے کے باعث وہ ان کے مزاج، نفسیات، مسائل اور احساسات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔،، تلاش بہاراں،، کی زبان سلیس، رواں اور سادہ ہے۔ناول چونکہ واحد متکلم کے انداز میں لکھا گیا ہے۔اس لئے مکالموں کی گنجائش کم ہے۔راوی کے بیانات نے کرداروں کے انداز گفتگو کو مصنوعی بنا دیا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے۔کہ ناول کے کردار خواہ مخواہ بولتے چلے جانے کے خوگر ہیں۔ نظریات اور تصورات کے اعتبار سے ان کی گفتگو میں گہرائی اور فکری بصیرت تو ہوتی ہے۔مگر اس میں جذبہ احساس کی آنچ اور صداقت مفقود ہے۔مختلف تناظرات ابتدائی خامیوں اور مختلف خوبیوں کے مجموعی جائزے کے باوجود یہ ناول اردو کے ان اہم ناولوں میں شمار ہوتا ہے جس میں تانیثی پہلوؤں باقاعدہ مد نظر رکھا گیا ہے۔اور تانیثی تنقید کے حوالے سے تجزیاتی مواد کا مرکز بھی ہے۔

پورے ناول میں جمیلہ ہاشمی نے عورت کے حقوق، اس کے تشخص اس پر لگائی جانے والی پابندیاں، معاشرے کی دھتکاری ہوئی عورت کے طبقاتی تقسیم، منافقت ظلم وجبر اور استحصال کو عورت کے حوالے سے پیش کیا ہے۔جمیلہ ہاشمی معاشرے میں ایک ایسی عورت کو سامنے لانے کی خواہاں ہے جو موجودہ عہد کے تقاضوں کو بھرپور انداز میں نبھا سکے۔اور آنے والے عہد کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔

جمیلہ ہاشمی نے ناول میں کنول کماری کی زبان عورت کے سلسلے میں مردوں کے تحفظات کے حوالے بھرپور دلائل دیتے ہیں اور انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔کہ عورت کی ترقی مرد کی ترقی ہے۔اور عورت کا وجود اس پر بوجھ نہیں بلکہ اس کا مددگار اور معاون ہے۔جمیلہ ہاشمی نے کنول کماری ٹھاکر کے کردار کے ذریعے، انسانیت کی ترویج وترقی بالخصوص آزادی نسواں کے سلسلے میں بھرپور آواز اٹھائی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے عہد کے بہترین ناولوں میں شمار کیا گیا۔اور اسے،، آدم جی،، ادبی انعام سے نوازا گیا۔

حوالاجات:

۱۔احسان اکبر ڈاکٹر، پاکستانی ناول، ہیت، رجحان اور امکان، سہ ماہی ادبیات خصوصی نمبر، اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ جلد اول شمارہ نمبر، ۲۱۔۲۲ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۹ ص ۱۶

۲۔جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں شعیب پبلیشرز لاہور ۱۹۹۱ ص ۹۴

۳۔اسلم آزاد ڈاکٹر، اردو ناول آزادی کے بعد، دہلی سیمانت پرکاش پبلیشرز ۱۹۹۰ ص ۱۸۳

۴۔ایضاص ۳۹

۵۔جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں شعیب پبلیشرز لاہور ۱۹۹۱ ص ۹۴

۶۔ایضاص ۹۴

۷۔الطاف انجم ڈاکٹر، اردو میں مابعد جدید تنقید (اطلاقی مثالیں، مسائل وممکنات) عکس پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۸ ص ۱۶۴

۸۔Mary Anne Fearguan, images of women in Literature , Boston Mifflin company1981, p5

9. Gender and Religion encylopaedia of sociology(6)p5561

۱۰۔شبنم آرا، تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول ایجوکیشنل پبلیکشنز ہاوس دہلی ۲۰۰۸، ص ۱۷، ۱۸

۱۱۔ایضاص ۵۰، ۵۱

۱۲۔ناصر عباس نیر ڈاکٹر، جدیدیت اور مابعد جدید تنقید، انجمن ترقی اردو پاکستان لاہور ۲۰۰۴، ص ۲۷۵۔۲۷۷

CC BY

۱۳۔ سید محمد عقیل ڈاکٹر، اصول تنقید اور رد عمل، انجمن تہذیب نو پبلیکینشز الہ آباد ۲۰۰۴ ص ٦۴

۱۴۔ اسلم آزاد ڈاکٹر، اردو ناول آزادی کے بعد، دہلی سیمانت پرکاش ۱۹۹۰، ص ۱۸۳

۱۵۔ نیلم فرزانہ ڈاکٹر، اردو ادب کی خواتین ناول نگار فکشن ہاوس لاہور ۱۹۹۰، ص ۲۵۹

۱٦۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، شعیب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ ص ۱۰۳

۱۷۔ ایضا، ص ۱۰۷

۱۸۔ ایضا، ص ۱۱۱

۱۹۔ ایضا، ص ۴۱٦

۲۰۔ ایضا، ۴۱٦

۲۱۔ ایضا، ۴۱٦

۲۲۔ ایضا، ۲۴۲

۲۳۔ ایضا، ۲۴۳

۲۴۔ ایضا، ۲۴٦

۲۵۔ ایضا، ۳۳۰

۲٦۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، کراچی اردو سندھ ۱۹۷۰ ص ۳۱

.. ۲۷۔ ایضا ص ۳۵